سالانہ محاضراتِ قرآنی

کی رُوداد اور

شُرکاء کے موقف کا جائزہ

از قلم:

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام جو سالانہ محاضراتِ قرآنی اس سال ۲۳ تا ۲۸ مارچ ۸۵ء، قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن، لاہور میں منعقد ہوئے ـــــ ان کے لئے جن علماء کرام کو بلاواسطہ یعنی انجمن کے دفتر سے براہِ راست، یا بالواسطہ یعنی بعض مقامات کے رفقاء و احباب کی معرفت دعوت نامے ارسال کئے گئے تھے ان کی کل تعداد لگ بھگ ایک صد تھی۔

ان میں سے جن حضرات نے بالفعل شرکت فرمائی ان کی تعداد ۲۱ ہے۔ جن میں ایک تقسیم تو اس اعتبار سے ہے کہ دس حضرات کا تعلق لاہور سے ہے، آٹھ کا بیرونِ لاہور لیکن اندرونِ پاکستان سے اور تین کا ہندوستان سے ـــــ اور ایک دوسری تقسیم اس اعتبار سے ہے کہ ان میں سے دو تہائی یعنی پندرہ حضرات بلاشک و شبہ ملک گیر شہرت کے حامل اور مختلف مکاتبِ فکر کے علماء و زعماء کی صفِ اوّل سے متعلق ہیں اور ایک تہائی تعداد نسبتاً نوجوان علماء پر مشتمل ہے ـــــ ان حضرات کے اسماءِ گرامی حسبِ ذیل ہیں:

ـــــ لاہور سے: ـــــ

(۱) مولانا محمد مالک کاندھلوی
(۲) مفتی محمد حسین نعیمی
(۳) حافظ عبدالقادر روپڑی
(۴) سید محمد متین ہاشمی
(۵) پروفیسر حافظ احمد یار
(۶) ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
(۷) حافظ عبدالرحمٰن مدنی
(۸) قاری سعید الرحمٰن علوی
(۹) ڈاکٹر خالد علوی
(۱۰) حافظ نذر احمد

بیرونِ لاہور سے :

(۱) مفتی سیاح الدین کاکاخیل (اسلام آباد) (۲) سیّد مظفر حسین ندوی (مظفر آباد)

(۳) سید عنایت اللہ شاہ بخاری (گجرات) (۴) مولانا عبد الغفار حسن (فیصل آباد)

(۵) مولانا عبد الوکیل خطیب (کراچی) (۶) مولانا محمد اسحٰق ردوپڑی (کراچی)

(۷) مولانا الطاف الرحمٰن (بنوں) (۸) مولانا شبیر احمد نورانی (کراچی)

ہندوستان سے :

(۱) مولانا وحید الدین خاں (دہلی) (۲) قاری محمد عبد العلیم (حیدر آباد)

(۳) میر قطب الدین علی چشتی (حیدر آباد)

راقم الحروف کے پاس الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعے ان حضرات کا شکریہ ادا کیا جا سکے کہ انہوں نے اپنی شدید مصروفیات اور وسیع مشاغل میں سے وقت نکالا اور راقم کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے شرکت فرمانے کی زحمت گوارا کی ۔ بالخصوص وہ حضرات جنہوں نے سفر کی صعوبت برداشت کی، راقم اور اس کے جملہ رفقاء کے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے ۔ (آمین)

اس فہرست میں تین نوجوان علماء کا اضافہ تو اس پہلو سے ہے کہ ان میں سے ایک صاحب یعنی مولانا عبد الرؤف (خطیب آسٹریلیا مسجد، لاہور) جو باضابطہ مدعو تھے، ایک دن تشریف لائے تو وقت کی کمی کے باعث راقم نے ان سے معذرت کر لی اور اگلے دن کا وعدہ لے لیا لیکن دوسرے روز وہ تشریف نہ لا سکے ـــــ ایک صاحب یعنی کوٹ رادھا کشن کے مولانا عبد الحکیم سیف صاحب، جنہوں نے از خود حصہ لینے کی خواہش کی اور مقالہ پیش کیا ۔ اور ایک صاحب یعنی اکبر الدین قاسمی جو اپنے ذاتی جذبے اور شوق کے تحت حیدر آباد دکن سے تشریف لائے لیکن چونکہ آخری وقت پہنچ پائے لہٰذا عملاً حصہ نہ لے سکے ـــــ راقم ان تینوں حضرات کا بھی تہہ دل سے ممنون ہے ـــــ اور ایک بزرگ شخصیت یعنی مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا اس اعتبار سے کہ اگرچہ وہ شرکت کی شدید خواہش کے باوجود اپنی شدید علالت اور معالجین کی قطعی ممانعت کے باعث تشریف تو نہ لا سکے لیکن ان کا ایک پینتیس منٹ کا ٹیپ شدہ خصوصی پیغام اور انٹرویو پہلے اجلاس میں سنوایا گیا ـــــ گویا سلسلۂ محاضرات کا "افتتاح" اسی سے ہوا ـــــ اس طرح مولانا موصوف کی بھی 'بالفعل' نہیں تو 'بالقوہ' شرکت ان محاضرات میں ہو گئی ۔ اس حساب سے ان محاضرات کے 'شرکاء' کی کل تعداد ۲۵ بنتی ہے ۔

عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ ٹھیک یہی تعداد اُن حضرات کی ہے جنہوں نے مصروفیت یا کسی

دوسرے عذر کی بنا پر شرکت سے معذرت کی، یا مزید برآں اجمالی تائید و تصویب سے بھی نوازا، یا پھر پوری تائید و تحسین فرمائی یا اجمالی اختلافات کا اظہار فرمایا یا بعض نکات پر تفصیلی اختلافی تحریریں ارسال فرمائیں ـــــــ یا شدید اظہارِ بیزاری و اعلانِ برأت فرمایا! عجیب تر اتفاق یہ ہے کہ ان میں سے بھی بائیس حضرات تو وہ ہیں جنہیں ہماری جانب سے دعوت نامہ ارسال ہوا تھا اور تین وہ ہیں جنہوں نے ازخود 'کرم' فرمایا اور اپنے جذبۂ نصح و اخلاص کے تحت ہماری 'رہنمائی' کی خدمت سرانجام دی ـــــــ راقم الحروف ان تمام حضرات کا بھی بلا استثناء تہہ دل سے ممنون ہے اور اپنی اور اپنے جملہ رفقاء کی جانب سے ان کی خدمت میں ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتا ہے ـــــــ عمومی دلچسپی کے لئے ان حضرات کے اسماء گرامی کی فہرست بھی ذیل میں درج کی جا رہی ہے:

(۱) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (لکھنؤ) — (۲) مولانا محمد منظور نعمانی (لکھنؤ)
(۳) مولانا اخلاق حسین قاسمی (دہلی) — (۴) مولانا عبدالکریم پاریکھ (ناگپور)
(۵) مولانا سید شمس پیرزادہ (بمبئی) — (۶) مولانا نورالحق ندوی وازہری (پشاور)
(۷) حضرت مولانا خان محمد (کندیاں شریف) — (۸) مولانا گوہر رحمان صاحب (مردان)
(۹) مولانا محی الدین لکھوی (دیپالپور) — (۱۰) مولانا محمد اسحٰق صدیقی (کراچی)
(۱۱) مولانا سمیع الحق (اکوڑہ خٹک) — (۱۲) مولانا عبدالحق حقانی (اکوڑہ خٹک)
(۱۳) مولانا قاضی شمس الدین (گوجرانوالہ) — (۱۴) مولانا محمد طاسین (کراچی)
(۱۵) مولانا بدیع الدین شاہ (پیر جھنڈا سندھ) — (۱۶) مولانا محمد یوسف لدھیانوی (کراچی)
(۱۷) مولانا محمد ازہر (ملتان) — (۱۸) مولانا محمد عبداللہ (اسلام آباد)
(۱۹) سید اسعد گیلانی (لاہور) — (۲۰) مولانا نعیم صدیقی (لاہور)
(۲۱) حافظ احسان الٰہی ظہیر (لاہور) — (۲۲) پروفیسر طاہر القادری (لاہور)
(اور ازخود 'کرم' فرمانے والے) ← (۲۳) جناب جاوید احمد (لاہور)
(۲۴) جناب عبدالمجیب (کراچی) اور (۲۵) جناب محمد عبداللہ (لاہور)

راقم الحروف ایک بار پھر ان تمام حضرات کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ آئندہ بھی یہ حضرات اسی طرح تعاون فرماتے رہیں گے، بقول غالب ؎

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا   اور درویش کی صدا کیا ہے!"

اس سال کے 'محاضرات' متعدد اعتبارات سے منفرد شان کے حامل تھے :-

اولاً ـــــ اس اعتبار سے کہ مسلسل چھ دن روزانہ ساڑھے تین چار گھنٹے ایک ہی موضوع پر اوسطاً روزانہ چار حضرات نے اظہارِ خیال فرمایا لیکن آخر وقت تک نہ مقررین کے جوش و خروش میں کوئی کمی آئی نہ سامعین کے ذوق و شوق اور دلچسپی ہی میں کسی کمی کا احساس ہوا۔

ثانیاً ـــــ حاضرین و سامعین کی تعداد بھی گذشتہ سالوں کے مقابلے میں بہت زیادہ رہی۔ حالانکہ قرآن اکیڈمی شہر سے بہت دور اور ٹریفک کے ذرائع کے اعتبار سے بہت الگ تھلگ جگہ پر واقع ہے اور رات کے نو دس بجے کے بعد وہاں سے واپسی کے لئے کسی چیز کا دستیاب ہونا بہت دشوار ہے۔ تاہم اس کا ایک ظاہری سبب یہ تھا کہ چونکہ اسی موقع پر اور اسی جگہ 'تنظیم اسلامی پاکستان' کا سالانہ اجتماع بھی ہو رہا تھا اور ساڑھے تین صد کے قریب لوگ تو وہاں مستقل مقیم ہی تھے۔ لہٰذا شہر سے روزانہ دو ڈھائی صد حضرات کی شرکت سے بھی بھرپور جلسے کا سماں بندھ جاتا تھا۔

ثالثاً ـــــ اور اہم ترین یہ کہ ان محاضرات کے 'موضوعِ بحث' کے طور پر قرآنِ حکیم کے ایک طالب علم اور اللہ کے دینِ متین کے ایک خادم نے، جو دینی و ملّی خدمات کے میدان میں ایسا نووارد بھی نہیں بلکہ لگ بھگ چالیس برس سے سرگرمِ عمل ہے اور تقریباً بیس سال سے تو اپنی انفرادی سوچ اور آزادانہ نقطۂ نظر کے ساتھ بحمد اللہ پوری تندہی کے ساتھ دینی خدمت میں مشغول ہے، اپنے دینی فکر کا 'لبّ لباب'، اپنے مطالعے کا نچوڑ اور بالخصوص اپنے "تصوّرِ فرائضِ دینی کا خلاصہ" متعیّن الفاظ میں مرتّب کر کے پیش کیا تھا۔ اور اس پر 'موافقین' اور 'مخالفین' سب کو آزادانہ اظہارِ خیال کی کھلی دعوت دی تھی۔ راقم نے جب اس کا فیصلہ کیا تھا تو اس کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ کوئی بہت انوکھا اور نادر کام کرنے چلا ہے لیکن جب محاضرات کے دوران بلا استثنائے واحد جملہ مقررین و مقالہ نگار حضرات، بالخصوص 'ناقدین' و 'مخالفین' نے برملا اعتراف کیا کہ "ایسا کم از کم معلوم تاریخ میں پہلی بار ہوا ہے!" اور "اس وسعتِ قلب کی کوئی دوسری مثال نظر نہیں آتی!" اور "عام طور پر تو لوگ اختلاف کرنے والوں کو اپنے پلیٹ فارم کے قریب تک بھی پھٹکنے نہیں دیتے!" اور "یہ ایک نہایت اعلیٰ مثال ہے!" اور "امید ہے کہ اس سے بہت اچھی اور مبارک و مستحسن روایت قائم ہوگی۔ اور مفید نتائج برآمد ہوں گے"۔ وغیرہ وغیرہ ـــــ تو راقم کے قلب کی گہرائیوں سے شکرِ خداوندی کا جذبہ بالکل (امام راغب کی بیان کردہ مثال کے مطابق، "عَيْنٌ شَكْرَى" کی سی کیفیت کے ساتھ ابھرا۔ اور راقم نے اپنے

اس اقدام کی برکات کو جو خالصتہً اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور توفیق ہی کی بنا پر ممکن ہوا تھا چشم باطن ہی نہیں سر کی آنکھوں سے بھی دیکھا۔ فَلِلّٰہِ الحمد والمنۃ !!!

رابعًا —— یہ کہ محاضرات کے پورے سلسلے کے دوران نہایت خوشگوار فضا قائم رہی اور خالص افہام و تفہیم کا ماحول برقرار رہا۔ چھ دن میں کوئی ایک چھوٹی سے چھوٹی مثال بھی تلخی یا ناخوشگواری کی پیش نہیں آئی۔ حالانکہ سامعین کی غالب اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو راقم کے دروس و خطابات اور تحریر و تقریر سے متاثر ہو کر اس کے رفیق و شریک کار اور اعوان و انصار بنے ہیں —— اور دُور دور ہی دور سے کسی کا متفق یا مدّاح ہونا دوسری بات ہے، کسی دینی کام میں عملی شرکت اس کے بغیر نہیں ہوتی کہ اس کے داعی و قائد کے ساتھ صرف اتفاقِ رائے اور ہم خیالی ہی نہیں کسی نہ کسی درجہ میں محبت و عقیدت کا تعلق قائم نہ ہو جائے —— ادھر ان محاضرات کے دوران راقم کے دینی فکر پر شدید تنقیدیں ہی نہیں ہوئیں اس کے بارے میں استہزائیہ انداز بھی اختیار کیا گیا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و احسان ہے کہ راقم اور اس کے ساتھیوں نے یہ سب کچھ نہایت خندہ پیشانی اور صبر و تحمل کے ساتھ سنا اور ایک لمحے کے لئے بھی تلخی و ناگواری تو دور کی بات ہے ماحول پر تکدر بھی طاری نہ ہونے دیا بلکہ اس کے برعکس بحمد اللہ و بفضلہٖ ایک شگفتگی کی سی کیفیت مسلسل طاری رہی! —— ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ!

یہ ناقابلِ یقین کیفیت ایسے ہی پیدا نہیں ہو گئی بلکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے راقم الحروف کو بر وقت کچھ فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائی —— جو یہ ہیں :

ایک یہ کہ راقم نے محاضرات کے آغاز سے ہفتہ عشرہ قبل ہی، بالکل، اس طرح جیسے نماز یا روزہ سے قبل نیت 'باندھی' جاتی ہے اپنی اس نیت کو شعوری طور پر پختہ کیا کہ میں ان محاضرات کے دوران علماءِ کرام کے ارشادات کو اپنے فکر کے جملہ صغریٰ کبریٰ اور تمام تانے بانے کو امکانی حد تک ذہن سے نکال کر مقدور بھر کھلے کانوں سے سنوں گا اور کھلے دل و دماغ کے ساتھ ان پر غور کروں گا اور اگر مجھے کہیں کوئی 'روشنی' ملی اور دل نے گواہی دی کہ میں نے کسی معاملے میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے تو اس کا کھلا اعتراف کرتے ہوئے اپنی پوری سوچ کو از سر نو استوار کرنے سے دریغ نہ کروں گا۔ پھر میں نے یہ 'نیت' صرف 'سرًا' ہی نہیں 'جہرًا' اور 'علانیۃً' علیٰ رؤس الاشہاد بھی کی چنانچہ اپنے خطاب جمعہ میں مسجد دار السلام، باغ جناح، لاہور کے بھرے مجمع میں اس کا اعلان کیا —— جدید سائیکالوجی کے ماہرین خواہ اسے "خود تلقینی" (Auto-Suggestion)

سے تعبیر کریں، لیکن میں نے اس طرزِ عمل کو بہت مفید پایا ہے اور میرے نزدیک یہی حکمت نماز کے لئے نیت 'باندھنے' یا روزہ کے لئے نیّت کے مسنون الفاظ زبان سے ادا کرنے کی ہے!

——— بہر حال اپنے اسی شعوری فیصلے کے منطقی نتیجے کے طور پر راقم نے بعض اپنے تنظیمی امور سے متعلق فیصلوں کو بھی ملتوی کر دیا جن کا اعلان اسی سالانہ اجتماع کے موقع پہ ہونے والا تھا۔ اور اپنے ساتھیوں سے صاف عرض کر دیا کہ ان معاملات پر اب ان محاضرات کے بعد از سرِ نو غور ہوگا!

——— اپنے اسی فیصلے پر بأحسن وجوہ عمل کرنے کے لئے راقم نے اپنے لئے طے کر لیا تھا کہ اس کی حیثیت ان محاضرات میں محض 'سامع' کی ہوگی۔ اگر کسی موقع پر ناگزیر ہی ہو گیا تو صرف خالص استفہامی انداز میں سوال کروں گا۔ اپنے اس فیصلے کی اہمیت کا احساس بھی راقم الحروف کو اس وقت ہوا جب مولانا وحید الدین خاں صاحب نے دہلی سے آمد کے فوراً بعد فرمایا کہ اس قسم کے موضوعات پر بحث کھلے مجمعوں میں ہونی درست نہیں ہے اور اس پر راقم نے عرض کیا کہ اس میں میری حیثیت صرف 'سامع' کی ہوگی۔ اگر شدید ضرورت محسوس کی تو بھی میں صرف سوال کروں گا جوابی تقریر ہرگز نہیں کروں گا۔ تو وہ فوراً مطمئن ہو گئے! ——— (عجیب حُسنِ اتفاق یا سُوءِ اتفاق ہے کہ پورے محاضرات کے دوران راقم نے صرف ایک سوال کیا اور وہ مولانا وحید الدین خاں صاحب ہی سے تھا، اور اس پر جب انہوں نے صاف اعتراف کر لیا کہ اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے!! اگرچہ اس سے اُنکی تقریر کا تاثر مجروح ہو گیا ۔ لیکن میرے دل میں ان کی محبت و عظمت پہلے سے دوچند ہو گئی!!

دوسرے یہ کہ راقم نے محاضرات کے آغاز سے ایک دن قبل رفقائے تنظیم اسلامی کے اجتماع میں اسی کی تلقین اپنے رفقاء کو کی۔ بلکہ صحیح تر الفاظ میں اس کا حکم دیا کہ (i) جملہ علمائے کرام ——— خواہ وہ ہمارے موافق ہوں یا ناقد ہمارے محسن ہیں، ان کی تشریف آوری ایک عظیم تعاون ہے، لہٰذا ان کا ادب پورے طور پر ملحوظ رہے۔ (ii) ان کی تقاریر کو کھلے کانوں ——— اور کھلے دلوں کے ساتھ سنیں اور کھلے ذہن کے ساتھ ان پر غور کریں۔ اگرچہ جذباتی طور پر متاثر ہونا درست نہ ہوگا، بلکہ ہمیں ان کے دلائل کو اپنے دینی فکر کے صُغریٰ کبریٰ کے ساتھ تقابل کر کے پورے شعور و ادراک کے ساتھ رد یا قبول کرنا ہے (لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ)

(iii) محاضرات کے دوران نظم پوری طرح برقرار رہے ——— اور کسی ناگواری کیا بے چینی تک کا اظہار نہ ہو، اختلافی باتیں پورے صبر و تحمل سے سنیں اور سوالات بھی صرف بغرضِ استفہام ہوں۔ ان

میں نہ جارحیت' ہو نہ 'جرح' کا انداز !!

راقم اس پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس تعالیٰ نے اسے اور اس کے رفقار کو ان فیصلوں پر الفاظِ ظاہری اور روحِ باطنی دونوں کے اعتبار سے بتمام و کمال عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائی ۔

"ایں سعادت بزورِ بازو نیست ! تا نہ بخشد خدائے بخشندہ !"

بدقسمتی سے اس تصویر کا دوسرا رخ اتنا شاندار نہیں ہے ۔ راقم الحروف بہ "خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے !" کے مصداق علماء کرام بالخصوص اکابر علمار سے معذرت کے ساتھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ ان کا ادب و احترام اپنی جگہ' محاضرات میں شرکت کی صورت میں ان کے تعاون و احسان کا بارِ گراں بر حق' لیکن ان کی اکثریت نے موضوعِ بحث کا حق ادا نہیں کیا ۔ اور اکثر و بیشتر نے صرف متفق علیہ امور پر وعظ و نصیحت پر اکتفا کی ۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ ان کے عظمتِ کردار کی مظہر ہے کہ بعض حضرات نے بلا عذر اعتراف کیا اور بعض نے متعین عذرات کی بنا پر وضاحت فرمائی کہ وہ اصل موضوع پر بحث تیاری کا حق ادا نہ کر سکے اور ان شار اللہ آئندہ کسی موقع پر مزید تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بات کریں گے ——— چنانچہ بعض حضرات نے اس قسم کے مباحث و مذاکرات کے لئے ایک مستقل فورم یا پلیٹ فارم کی قیام کی تجویز پیش فرمائی ——— راقم کے لئے یہ بات نہایت خوش آئند ہے ۔ اس لئے کہ اس کا ذہن اور مزاج ابتدا ہی سے یہی ہے' اور اگرچہ اپنے کام میں شدید مشغولیت و انہماک کے باعث وہ علمار کرام سے ذاتی سطح پر زیادہ ربط ضبط قائم نہ رکھ سکا لیکن اس نے "قرآن کانفرنسوں" اور "محاضراتِ قرآنی" کے ذریعے دراصل اسی نوع کے مشترک پلیٹ فارم کے قیام کی سعی کی ہے ۔ پھر تنظیم اسلامی میں "حلقۂ مستشارین" کا قیام بھی اس کے اسی اندازِ فکر اور افتادِ طبع کی عکاسی کرتا ہے ۔ اور جب اور جہاں ممکن ہوتا ہے وہ علمار کرام کی خدمت میں طالبِ علمانہ حاضری کو اپنی سعادت سمجھتا ہے ! واللہ علیٰ ما اقول وکیل !! ——— بہرحال اس سال کے محاضراتِ قرآنی ان شار اللہ العزیز اس سلسلے میں ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوں گے اور خاص اس موضوع پر مزید مجالسِ مذاکرہ کا انعقاد انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام وقتاً فوقتاً کیا جاتا رہے گا ۔ بید اللہ التوفیق والتیسیر :

آئندہ مزید غور و فکر کے دروازے کو کھلا رکھتے ہوئے' ان محاضرات کی حد تک راقم الحروف کو اپنے

عجزِ بیان، بالخصوص اندازِ تحریر کی خامی سے پیدا شدہ چند غلط فہمیوں پر تنبّہ کے سوا اپنے اساسی موقف کی کسی غلطی یا اپنے فکر کے صغریٰ کبریٰ کی کسی خامی یا اُن سے حاصل شدہ نتائج کے ضمن میں کسی افراط یا تفریط کا سراغ نہیں ملا ـــــ بلکہ اس کے برعکس راقم کو ان امور کے ضمن میں متعدد علماء کرام کی جانب سے نہایت زوردار تصویب و تائید حاصل ہوئی ہے اور بحمداللہ ان محاضرات کے نتیجے میں راقم اپنے موقف پر پہلے سے زیادہ جازم و عازم ہے! ـــــ تاہم جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ مزید گفت و شنید اور بحث و تمحیص کا سلسلہ پوری ذہنی و قلبی آمادگی کے ساتھ جاری رہے گا۔

راقم کو اپنے عجزِ بیان ـــــ اور اظہارِ مافی الضمیر کی کوتاہی کا یوں تو مستقلاً ہی اقرار و اعتراف ہے، تاہم ان محاضرات کی موضوعِ بحث تحریر کا معاملہ یہ ہے کہ یہ بہت روا روی میں لکھی گئی تھی لہٰذا اس میں بعض فاش غلطیاں ایسی ہو گئیں جنہوں نے شدید مغالطوں کو جنم دیا چنانچہ ان میں سے بعض کا راقم نے جمعہ ۲۲ر مارچ کو مسجد دارالسلام میں خطابِ جمعہ میں اعتراف و اعلان بھی کر دیا تھا۔ تاہم چونکہ معترضین حضرات تو وہاں موجود نہ تھے۔ لہٰذا مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں کہ اکثر ناقدین نے ان ہی کو اپنے اظہارِ خیال کا موضوع بنایا ـــــ بہرحال راقم ان کے شکریے کے ساتھ ان امور کے ضمن میں اپنے اصل موقف کو درج ذیل کر رہا ہے۔

(۱) ان میں سب سے پہلی 'غلطی' یہ ہوئی کہ راقم نے علماءِ کرام کے نام اپنے خط کے آخر میں یہ الفاظ استعمال کر دیئے کہ:

> "آخر میں جناب سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ اپنی گوناگوں مصروفیات اور تمام تر مشاغل کے باوجود اس کام کے لئے ضرور وقت نکالیں۔ اس لئے کہ کسی دینی خدمت و تحریک کی بروقت رہنمائی خصوصاً جبکہ اس کا محرک و داعی خود اس کے لئے مستدعی ہو ایک اہم دینی فرض ہے! ـــــ بصورتِ دیگر میں اپنے آپ کو یہ کہنے میں حق بجانب سمجھتا ہوں کہ میری جانب سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ پر ایک حجت قائم ہو جائے گی کہ میں نے تو رہنمائی چاہی تھی جناب ہی نے توجہ نہ فرمائی"!

اب اسے میں اپنی بدقسمتی کے سوا اور کسی چیز پر محمول نہیں کر سکتا کہ بعض علماء کرام نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ میں گویا اس کا مدعی ہوں کہ میں نے ان پر 'اتمام حجت' کر دیا ہے کہ وہ میری تنظیم میں شامل اور میری بیعت میں داخل ہوں۔ "معاذاللہ" ثم یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے!" اور حاشا وکلا میرے ذہن کے کسی دور دراز گوشے میں بھی ایسی کوئی بات موجود نہیں ہے!

(۲) دوسری اہم غلطی یہ ہوئی کہ راقم نے ایک مسلمان کے تین اساسی دینی فرائض میں سے اوّلین یعنی

نہ یہ کہ وہ خود صحیح معنی میں اللہ کا بندہ بنے !" کی وضاحت کے ضمن میں سورۂ بقرہ کی آیت ۸۱ کا جو حوالہ دیا اس سے بجا طور پر یہ مغالطہ ہوا کہ شاید میں بھی معتزلہ کی طرح عصاۃ اہل ایمان کے لئے "خلود فی النار" کے امکان کا قائل ہوں ۔ میں اس سے بھی اظہار برأت کرتا ہوں ۔ میرے نزدیک صحیح بات وہی ہے جو احادیث صحیحہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے یعنی جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا اگر اس کے گناہوں کا وزن نیکیوں سے بڑھ کر ہوا تو وہ اپنے گناہوں کے بقدر سزا بھگت کر بالآخر دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا ۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس مقام پر اس آیۂ مبارکہ کا حوالہ بے محل اور غلط ہے ——— رہا یہ سوال کہ اس آیت کا صحیح مدلول میرے نزدیک کیا ہے تو میرے نزدیک یہ آیت اپنے نفس مضمون کے اعتبار سے ان احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت رکھتی ہے جن میں تنبیہہ اور ترہیب کی غرض سے بعض اعمال پر نفی ایمان کی وعید سنائی گئی ہے ۔ ان آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ کے ضمن میں نہ یہ روش درست ہے کہ ان کے ظاہری الفاظ سے بالکل قانونی اور منطقی معانی نکالے جائیں جس سے شدید مایوسی پیدا ہو جائے ، نہ یہ صحیح ہے کہ ان کی ایسی توجیہیں کی جائیں کہ ان کی تاثیر ہی ختم ہو کر رہ جائے اور بے خوفی اور لاپرواہی جنم لے لے ! ——— بلکہ دوسری آیات و احادیث کی روشنی میں ان کی ایسی تعبیر کی جانی چاہیئے جس سے سامع اور قاری میں " بین الخوف والرجاء " کی کیفیت قائم رہے ۔ واللہ اعلم ——— بہرحال اس مسئلے کا اصل تعلق ایمان اور عمل کے باہمی لزوم یا عدم لزوم اور ایمان میں کمی بیشی کے امکان یا عدم امکان کے ضمن میں اس اختلاف سے ہے جو ہمارے یہاں اسلاف سے چلا آرہا ہے اور جس کے ضمن میں تاحال راقم کی رائے یہ ہے کہ اس دنیا کی حد تک اور قانونی و فقہی سطح پر صحیح بات یہی ہے کہ ایمان جدا ہے اور عمل جدا ، اور نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی لیکن حقیقت کے اعتبار سے صحیح بات یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ ایمان حقیقی یعنی یقین قلبی گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی بلکہ ایمان اور عمل صالح لازم و ملزوم ہیں اور یہ لزوم دو طرفہ ہے یعنی ایمان بڑھے گا تو عمل صالح میں بھی لازماً اضافہ ہو گا اور معاصی میں لامحالہ کمی آئے گی اور ایمان گھٹے گا تو عمل صالح میں کمی واقع ہو گی اور معاصی میں اضافہ ہو گا اور اسی طرح عمل صالح بڑھے گا تو اس سے ایمان میں بھی اضافہ ہو گا اور عمل صالح میں کمی آئے گی ، اور معاصی بڑھیں گے تو اس سے ایمان بھی متاثر ہو گا اور اس میں لازماً کمی آئے گی ———

اور ــــــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے ــــــ بہر حال اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ امکان کے درجے میں یہ احتمال موجود ہے کہ اعمالِ صالحہ کے مسلسل فقدان اور معاصی پر دوام و اصرار بالخصوص اکلِ حرام پہ جان بوجھ کر استمرار و مداومت کے نتیجے میں ایمان کی پونجی بالکل ختم ہو جائے اور احادیثِ نبویہؐ میں وارد شدہ الفاظ " ولیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل " ــــــ یا " ایۃ المنافق ثلاث و ان صام وصلّٰی وزعم انہ مسلمٌ ..... " کا مصداق وجود میں آجائے !! ــــــ اور ظاہر ہے کہ اگر اسی حالت میں موت واقع ہو جائے تو ایسے شخص کا معاملہ اس کا سا نہیں ہو گا جو ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا ہو خواہ گناہوں کا بہت سا انبار اپنے ساتھ لے گیا ہو۔ ھٰذا ما عندی حتی الوقت والعلم عند اللہ وارجوان یغفرلی اللّٰہُ والذین اوتوا العلم ان کنت خاطیًا ــــــ !! ــــــ بہر حال جو شخص ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا ہو خواہ اس کی مقدار کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو اس کا معاملہ اس سے بالکل جدا ہے اور اس کے ضمن میں میرا موقف وہی ہے جو جملہ اہلِ سنّت کا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پوری امید ہے کہ اسی پر میری موت واقع ہو گی !

(۳) تیسرا سلسلۂ مغالطات پیدا ہوا راقم کی حسبِ ذیل عبارت سے :

" فریضۂ ثالث کے ضمن میں 'بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف' کی صورت لازمی و لابدی ہے۔ چنانچہ اس کا لزوم ثابت ہوتا ہے مسلم کی روایت (عن عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارکہ وارد ہوئے ہیں کہ " من مات ولیس فی عنقہٖ بیعۃ مات میتۃً جاھلیۃً ــــــ ! " ــــــ واضح رہے کہ دو ہی صورتیں ممکن ہیں : (۱) اگر کم سے کم شرائط و معیارات پر اترنے والا صحیح اسلامی نظامِ حکومت قائم ہے تو اس کے سربراہ سے بیعتِ سمع و طاعت ہو گی۔ اور (۲) اگر ایسا نہیں ہے تو صحیح اسلامی حکومت کے قیام کے لئے جدوجہد کرنے والی جماعت کے امیر کے ہاتھ پر بیعتِ سمع و طاعت ہو گی ــــــ اور تیسری کوئی صورت ممکن نہیں ! "

(۱) اس سے بعض حضرات نے تو یہ نتیجہ اخذ فرما لیا کہ راقم بزعمِ خویش اس مقام پہ فائز ہو گیا ہے کہ سب مسلمانوں پر شخصاً اس کی بیعت لازم ہو گئی ہے۔ تو اس سے تو اسی نوع کا اظہارِ برأت کافی

ہے جس نوع کا اظہارِ برائت میں ابتداء میں پہلی غلطی کے ضمن میں کرچکا ہوں ـــــ راقم کے نزدیک حال تو کجا مستقبل میں بھی جتنی دور تک نگاہ فی الوقت جا سکتی ہے اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ کسی ایک امام کی بیعت اس طرح لازم ہو جائے کہ اس کے دائرے سے باہر لازماً کفر ہو اس کا نظری امکان اگر کوئی ہے تو صرف اس آخری زمانے میں جبکہ حضرت عیسٰی علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام کے نزول کے بعد کوئی صورت ایسی بن جائے کہ پورے کرۂ ارضی پر ایک ہی اسلامی ریاست بالفعل قائم ہو جائے ـــــ اس سے پہلے اس کا کوئی نظری امکان بھی موجود نہیں ہے ـــــ کجا راقم الحروف کی بیعت! ؎ "زعشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است"

(۱۱) ایک دوسرا مغالطہ جو میری تحریر سے پیدا ہوا وہ یہ ہے کہ میں صحیح مسلمؒ کی محولہ بالا حدیث مبارک کو بالکل ظاہری اور قانونی معنوں میں لے رہا ہوں اور میرے نزدیک بیعت سمع و طاعت فی المعروف کا لزوم ہر شخص کے لئے اور ہر حال میں ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں اس مغالطے میں فی الواقع مبتلا رہا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے رفیق مکرم ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب کو کہ انہوں نے لگ بھگ چھ ماہ قبل صحیحین کی ایک حدیث کی جانب توجہ مبذول کرائی جس سے یہ 'تیسری' امکانی صورت بھی سامنے آتی ہے کہ کم از کم معیار پر پوری اترنے والی اسلامی حکومت کے موجود نہ ہونے کی صورت میں: اگر انسان کو (ا) اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے کوئی ایسی جماعت بھی نظر نہ آئے جس پر اس کا دل مطمئن ہو سکے اور (ب) خود وہ دیانتہً محسوس کرے کہ" اس میں وہ ہمت و صلاحیت موجود نہیں ہے کہ خود داعی کی حیثیت سے کھڑا ہو اور ایک قافلہ ترتیب دے تو اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ انفرادی مساعی پر ہی اکتفا کرے۔ ـــــ چنانچہ راقم نے اس معاملے میں اپنا موقف تبدیل کر لیا تھا لیکن کچھ اس بنا پر کہ جو خیال دل میں برسوں بیٹھا رہا ہو اسے خواہ شعوری طور پر دل سے نکال بھی دیا جائے اس کے کچھ نہ کچھ اثرات کچھ عرصے تک غیر شعوری سطح پر برقرار رہتے ہیں ـــــ اور کچھ اس بنا پر کہ، جیسے کہ ابتداء میں عرض کیا جا چکا ہے 'یہ تحریر بہت 'رواروی' میں سپردِ قلم ہوئی تھی ـــــ یہ الفاظ قلم سے نکل گئے کہ" اور تیسری کوئی صورت ممکن نہیں ہے!" بہرحال راقم اس سے محاضرات سے قبل ہی رجوع کر چکا تھا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ 'حکمتِ قرآن' میں اشاعت کے وقت یہ الفاظ حذف کر دیے گئے تھے!!

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ذاتی سطح پر میرے مشفق و مربّی اور تنظیم اسلامی کی سطح پر حلقۂ

مستشارین کے رُکنِ رکین مولانا سید حامد میاں صاحب کو کہ اگرچہ وہ اپنی شدید مصروفیات کے باعث اس بار محاضرات کے لئے کوئی تحریر تو سپردِ قلم نہ کر سکے لیکن انہوں نے خاص اس غلطی پر تنبیہہ فرمانے کے لئے راقم کو طلب فرمایا اور قدرے برہمی کے انداز میں فرمایا کہ "اس حدیث سے یہ مطلب تو کسی نے بھی نہیں لیا اور ہمارے تو اسلاف میں بے شمار لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے نہ کسی سے بیعت سمع و طاعت کی نہ لی!" ـــــ تو اگرچہ فوری طور پر میرے ذہن میں ایک خیال کلبلایا کہ "کسی شیٔ کا عدم ذکر یا عدم ثبوت اس کے وجود کی نفی کو مستلزم نہیں ہے!" ـــــ (اس لئے کہ میرے علم میں استاذی المکرم مولانا منتخب الحق قادری کا بیان کردہ یہ واقعہ ہے کہ ایک بار اچانک علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیریؒ کے ذاتی کتب خانے کی ایک خاص الماری کی صفائی کرتے ہوئے جس کی چابی وہ کبھی کسی کو نہیں دیتے تھے اور اس موقع پر کسی خاص مجبوری سے مولانا کے حوالے کی تھی اچانک ان کی نگاہ سے ایک رجسٹر گذرا جس میں ان لوگوں کے نام اور پتے درج تھے جنہوں نے حضرت مولاناؒ سے بیعتِ جہاد کی ہوئی تھی ـــ مولانا منتخب الحق صاحب کا فرمانا ہے کہ اس روز میری سمجھ میں یہ بات بھی آئی کہ کیوں مولانا نے اپنی رہائش قبرستان میں ایک بالکل ویران و سنسان جگہ پر رکھی ہوئی تھی!) لیکن میں نے اس معاملے میں بحث کی طوالت سے بچنے کے لئے عرض کیا کہ "مولانا! اگر اس حدیثِ نبویؐ کو ظاہری اور قانونی معنوں میں نہ لیا جائے لیکن اس کا حوالہ بیعتِ جہاد اور بیعت سمع و طاعت فی المعروف کے لئے تشویق و ترغیب کے طور پر دیا جائے تو ....؟" اس پر مولانا نے فوراً بلا توقف فرمایا "اس میں کوئی حرج نہیں ہے!" ـــــــ گویا موضوع زیرِ بحث کی حد تک اس حدیثِ مبارکہ کا حاصل بھی وہی ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت ۸۱ کا!!

(iii) بعض حضرات کو یہ غلط فہمی بھی لاحق ہوئی کہ شاید میرے نزدیک اگر کوئی شخص ایک بار مجھ سے بیعت سمع و طاعت فی المعروف میں منسلک ہو جائے تو پھر اگر وہ کسی بھی صورت میں اس بیعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دے گا تو "مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ" کی وعیدِ شدید کا مستحق ہوگا۔ میں اس سے بھی علی رؤس الاشہاد اعلانِ برأت کرتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ معاملہ اس "الجماعۃ" کا ہے جو اصلاً تو دورِ نبوی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ امارت قائم تھی اور تبعاً صرف خلافتِ راشدہ تک قائم رہی جب کہ امت میں دینی و مذہبی، سیاسی و ملی، ملکی و علاقائی اور حکومتی و انتظامی ہر اعتبار سے وحدتِ کُلی برقرار

رہی ـــــ اس کے بعد سے آج تک، اور مستقبل میں دور دور تک اس ' الجماعۃ ' کا حقیقی اور واقعی اعتبار سے وجود خارج از بحث ہے۔ البتہ نظری طور پر کہا جا سکتا ہے کہ پوری امتِ مسلمہ بحیثیتِ مجموعی اسی ' الجماعۃ ' کے حکم میں ہے!

اقامتِ دین اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لئے قائم ہونے والی کسی بھی جماعت میں شمولیت اور اس کے امیر سے سمع و طاعت فی المعروف کی بیعت انسان پر اس وقت لازم ہوتی ہے جب دو شرطیں پوری ہو جائیں: ایک یہ کہ اس کے دینی فکر اور طریقِ کار سے مجموعی طور پر اتفاق ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے خلوص و اخلاص پر دل گواہی دے دے! ـ پھر اس بیعت پر قائم رہنا بھی اسی وقت تک لازم ہو گا جب تک یہ دونوں باتیں برقرار رہیں ـــ ـــ بصورتِ دیگر اگر (i) انسان کے علم میں ایسے شواہد آئیں جن کی بنا پر اس خلوص و اخلاص پر اعتماد متزلزل ہو جائے یا (ii) انسان دیانتہً یہ محسوس کرے کہ داعی نے جو راستہ ابتداءً اختیار کیا تھا اور جس کی اس نے دعوت دی تھی وہ اس سے منحرف ہو گیا ہے یا (iii) خود انسان کا ذہن بدل جائے اور وہ خود اس طریقِ کار پر مطمئن نہ رہے جس پر تحریک کا آغاز کیا گیا تھا یا (iv) اسے کوئی ایسی جماعت نظر آ جائے جو اس سے بہتر طریق پر اور اس سے بہتر قائد کی قیادت میں اقامتِ دین کی جدوجہد کر رہی ہو ـــــ تو اس کا بیعت کو فسخ کرنا جائز ہی نہیں واجب ہو جائے گا ـــــ اِلّا یہ کہ باطن میں پیچھے ہٹنے کا اصل سبب تو کمزوری اور بزدلی یا کوئی ذاتی مصلحت و منفعت ہو لیکن ظاہری سہارا انسان متذکرہ بالا چار صورتوں میں سے کسی کا لے لے ـــ ـــ تو اس صورت میں چاہے دنیا میں اس پر کوئی حکم نہ لگایا جا سکے لیکن عنداللہ وہ ضرور قابلِ مؤاخذہ ہو گا! ـــــ البتہ جب تک کسی شخص میں کسی قائد یا امیر سے بیعتِ سمع و طاعت کے ضمن میں وہ دونوں مثبت احساسات برقرار رہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور ان چار منفی کیفیات میں سے کوئی کیفیت پیدا نہ ہو جو فسخِ بیعت کے ضمن میں بیان ہو چکی ہیں اس وقت تک اس کا اس جماعت میں شامل رہنا اور بیعت کا وہ حق ادا کرنا لازم ہو گا جو صحیحین میں حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بدیں الفاظ بیان ہوا ہے کہ:

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی
العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلی اثرۃ علینا وعلی ان لا
ننازع الامر اھلہ وعلی ان نقول بالحق حیثما کنا لا نخاف فی اللہ

لومۃ لائم"
صرف اس فرق کے ساتھ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر بیعت سمع وطاعت میں "فی المعروف" کی قید بہتر تو یہ ہے کہ لفظاً ہو ورنہ معناً لازماً مراد ہوگی!

الغرض ـــــ راقم ان محاضرات کے بعد بھی ان تصریحات اور ان سے لازم آنے والی حدود و قیود کے ساتھ، فرائض دینی کے جامع تصور کے ضمن میں اپنے موقف پر جازم و عازم ہے۔ ان محاضرات کے نتیجے میں تو راقم کو اپنے موقف میں کسی اساسی اور بنیادی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اب اللہ ہی سے دعا ہے کہ اگر میرے اس فکر میں کوئی کجی یا غلطی ہے تو اپنے خصوصی فضل و کرم اور کسی خاص ذریعے سے مجھے متنبہ فرما دے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

آمین یا رب العالمین!

راقم الحروف کو پورا احساس ہے کہ قارئینِ "حکمت" محاضرات کے جملہ بالفعل و بالقوہ اور حاضرانہ و غائبانہ شرکاء کے افکار و خیالات سے فرداً فرداً واقف ہونا چاہیں گے۔ اس ضمن میں یہ گذارش ہے کہ ہم تک تحریریں تو صرف معدودے چند حضرات کی پہنچی ہیں۔ اکثر و بیشتر حضرات نے تقاریر کیں تھیں مقدم الذکر حضرات سے ہم یہ درخواست کریں گے کہ وہ اپنی تحریروں پر ہماری مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں نظرثانی فرمالیں تو بہتر ہوگا۔ تاکہ وقت اور قلم و قرطاس کا ضیاع کم ہو۔ اور فائدہ زیادہ! ــــ اور مؤخر الذکر حضرات سے مزید درخواست یہ ہوگی کہ ہماری ان تصریحات کو بھی مدنظر رکھ کر اپنی تقاریر کے خلاصے خود مرتب فرماویں تاکہ انہیں سلسلہ وار شائع کر دیا جائے ــــ سردست مؤیدین و موافقین اور مختلفین و ناقدین کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے:

راقم کو سب سے زیادہ کھلی اور بھرپور تائید و تصویب ــــ بلکہ حد درجہ حوصلہ افزائی تو ملی ہے مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدظلہ سے جو بلا شبہ برصغیر پاک و ہند کے چوٹی کے علماء میں سے ہیں اور اس اعتبار سے تو "آپ اپنی مثال"، کے مصداق کامل ہیں کہ ایک طرف دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور عرصۂ دراز سے اس کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں اور مختلف اوقات میں دارالعلوم ڈابھیل اور مدرسہ عالیہ فتح پوری میں مدرس رہے ہیں تو دوسری جانب سینٹ سٹیفن کالج دہلی کے لیکچرار، مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے ڈین آف تھیالوجی رہے ہیں اور ایک طرف عربی زبان اور علوم دینیہ پر عبور رکھتے ہیں تو دوسری طرف انگریزی زبان و فکر پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اور ان سب پر مستزاد ہے

ان کی ۱۹۳۸ء سے تاحال 'ندوۃ المصنفین' دہلی کی رکنیت اور ماہنامہ 'برہان' کی ادارت ــــــ اور بیسیوں اعلیٰ پایہ کی علمی کتب کی تصنیف ــــــ اور اب حضرت شیخ الہندؒ اکیڈمی' دیوبند کی سربراہی.

ان کے ٹیپ شدہ خیالات تو لفظ بلفظ اور من وعن ماہنامہ 'میثاق' کی اپریل ہی کی اشاعت میں شائع ہو رہے ہیں، وہاں ملاحظہ فرمالئے جائیں لیکن عندالملاقات جو ایک 'لطیفہ' صادر ہوا وہ تفننِ طبع کے لئے حاضرِ خدمت ہے ــــــ ایک ملاقات میں (مذکورہ ٹیپ شدہ انٹرویو والی نہیں، اس لئے کہ اس موقع پر تو راقم موجود نہ تھا) راقم اور اس کے دو رفقاء کی موجودگی میں مولانا نے تائید وتحسین اور حوصلہ افزائی کے ضمن میں بہت کچھ فرماکر اور ڈھیر ساری دعائیں دینے کے بعد فرمایا کہ "بس آپ کی ایک بات سے مجھے شدید اختلاف ہے اور اس سے مجھے بہت کوفت اور تکلیف ہوتی ہے!" اس پر راقم سہم کر ہمہ تن گوش ہو گیا تو اس مطلع کا مقطع یہ ارشاد ہوا کہ "وہ یہ کہ آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں عالمِ دین نہیں ہوں........ آپ عالم ہیں، آپ خطیب ہیں، آپ ادیب ہیں ....!" راقم الحروف کو اس وقت ان کی شخصیت میں حضرت شیخ الہندؒ کے مزاج کی جھلک نظر آئی جنہوں نے اپنے بیٹوں اور شاگردوں کی عمر کے ایک نوجوان کو جو مستند عالمِ دین بھی نہ تھا ــــــ اور وضع قطع سے بھی کوئی مذہبی شخصیت نظر نہ آتا تھا جس طرح اپنی آنکھوں پر بٹھایا تھا وہ ان کے معتقدین ومتوسلین کی ایک عظیم اکثریت کو آج بھی ناپسند ہے! ــــــ بہرحال اس ضمن میں کسی کو غلط فہمی نہ ہو ۔ راقم مولانا اکبرآبادی کے ان الفاظ کو صرف دلجوئی اور حوصلہ افزائی پر محمول کرتا ہے ــــــ اور اپنے بارے میں خود اس کا خیال اوّل وآخر یہی ہے کہ وہ قرآن حکیم کے علم وحکمت کا ایک ادنیٰ طالبِ علم اور اللہ کے دینِ متین کا ایک ادنیٰ خادم ہے ــــــ اور بس!! ــــــ اور اسے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پوری امید ہے کہ اس کے سوا کوئی اور 'دعویٰ' یا 'اِدّعا' نہ اس کے دل میں آئے گا نہ زبان پر!!

محاضرات کے 'بالفعل' اور 'حاضر' شرکاء میں سے نو حضرات نے راقم کے دینی فکر اور تصوّرِ فرائضِ دینی کی واشگاف اور زوردار یا نسبتاً دبے اور دھیمے الفاظ میں تصویب وتائید فرمائی ۔ پانچ حضرات نے بنیادی اور واضح طور پر اختلاف کیا اور سات حضرات کچھ بین بین رہے یعنی انہوں نے بعض پہلوؤں کی تصویب وتحسین فرمائی اور بعض کے ضمن میں کچھ احتیاطوں کا مشورہ دیا۔ راقم کا ظنِّ غالب ہے کہ راقم کی ان پہلی تصریحات کے بعد جو ادپر وضاحت کے ساتھ درج ہو چکی ہیں، یہ حضرات بھی مؤیدین ہی کی فہرست میں شامل ہوں گے ۔

قسمِ اوّل میں سرِفہرست ہیں مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل، جن کا تعلق اصلاً حلقۂ دیوبند

سے ہے ۔ثانوی طور پر ان کا شمار جماعت اسلامی کے ہم خیالوں اور ہم دردوں بلکہ سرپرستوں میں ہوتا ہے، ایک طویل عرصہ تک ریاستِ پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے ہیں اور فی الوقت اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس میں کام کر رہے ہیں۔

——— دوسرے نمبر پر ہیں مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری جو مفتی صاحب ہی کی طرح اصلاً حلقۂ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن سماعِ موتیٰ اور حیات النبیؐ کے مسئلے میں ایک جداگانہ رائے کے حامل ہونے کی بنا پر جداگانہ تشخص رکھتے ہیں اور "جمعیت اشاعت التوحید والسُّنّۃ" کے امیر اور سربراہ ہیں ۔ تیسری اہم شخصیت ہیں مولانا سیّد مظفر حسین ندوی جو ندوہ میں اپنے زمانۂ تعلیم کے دوران مولانا سیّد مسعود عالم ندوی مرحوم اور مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ دونوں کے یکساں منظورِ نظر شاگرد تھے ۔ ۱۹۴۸ء کے جہاد کشمیر میں عملاً حصہ لینے والوں بلکہ اس کا آغاز کرنے والوں میں سے تھے ——— اور ایک طویل عرصہ تک حکومت آزاد کشمیر کے دینی تعلیم و تربیت کے شعبوں میں خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ چوتھی اہم شخصیت ہے ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی صاحب کی جو اصلاً تو شرق پور کے نقشبندی خانوادے سے منسلک ہیں، تاہم عرفِ عام میں بریلوی حلقوں سے زیادہ ربط و ضبط رکھتے ہیں اور فی الوقت پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ معارف اسلامیہ میں تدریس کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں ۔ پانچویں واضح مؤیّد ہیں مولانا قاری سعید الرحمٰن علوی جو ایک عرصہ تک ہفت روزہ "خُدّام الدّین" کی ادارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں ۔ اور آج کل جامع مسجد، شاہ جمال، لاہور میں خطیب کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ بقیہ چار حضرات میں سے دو کراچی کے معروف اہلحدیث علماء و خطباء ہیں یعنی مولانا عبدالوکیل خطیب اور مولانا محمد اسحٰق مدنی اور دو ہمارے حیدرآباد دکن سے آئے ہوئے مہمان تھے یعنی مولانا قاری محمد عبدالعلیم اور میر قطب الدین علی چشتی ———!!

اقامتِ دین کی فرضیت، التزامِ جماعت اور بیعتِ ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ، سمع و طاعت فی المعروف کے لزوم کے تصوّرات سے مجموعی اور اساسی اختلاف کا اظہار کرنے والوں میں سرفہرست تھے مولانا عبدالغفار حسن مدظلہٗ اور مولانا وحیدالدین خاں (از دہلی) ——— ان کے بارے میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ماضی میں ان دونوں حضرات کا طویل اور فعال تعلق رہا ہے جماعت اسلامی سے ۔ چنانچہ مولانا عبدالغفار حسن کا شمار جماعت اسلامی پاکستان کی صفِ اوّل کے رہنماؤں میں ہوتا تھا ۔ اور مولانا وحیدالدین خان جماعت اسلامی ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن تھے ۔

عجیب بات ہے کہ تیسری حد درجہ تیز و تند اور اختلافی ہی نہیں مخالفانہ تقریر تھی ڈاکٹر خالد علوی صاحب کی جو پنجاب یونیورسٹی میں جمعیت طلبہ کے سرپرست شمار ہوتے ہیں۔ کچھ اسی انداز کی لیکن غیر واضح تقریر تھی حافظ نذر احمد صاحب کی ـــــــ البتہ اسی فکر کی حامل لیکن حد درجہ دھیمی اور مؤثر تقریر تھی مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہ کی۔ اگرچہ اس میں دلیل و استدلال سے زیادہ تلقین و نصیحت اور جذباتی اپیل کا رنگ تھا ـــــــ واللہ اعلم !!

تیسری فہرست میں نمایاں ترین نام ہیں مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی اور مولانا سید محمد متین ہاشمی کے، پھر نمبر آتا ہے، پروفیسر احمد یار، مولانا الطاف الرحمٰن بنوی، حافظ عبدالرحمن مدنی، مولانا عبدالحکیم سیف اور مولانا شبیر احمد نورانی کا۔ ان حضرات کے بارے میں راقم پہلے ہی عرض کر چکا ہے کہ ان شاء اللہ راقم کی پیش نظر تحریر میں وارد تصریحات کے بعد ظنِ غالب یہی ہے کہ انہیں کوئی اختلاف نہیں رہے گا۔

جن پچیس حضرات نے 'محاضرات' کے لئے تفصیلی تحریریں ارسال فرمائیں یا محض خطوط تحریر فرمائے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

۱۔ مولانا محی الدین لکھوی نے بھرپور تائید کی اور کُلی اتفاق کا اظہار فرمایا۔ مولانا پنجاب کے ایک نہایت مشہور اہل حدیث خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے دادا حافظ محمد لکھوی رح نے پنجاب میں ترویج توحید اور ردّ بدعات کے ضمن میں نہایت مجاہدانہ کردار ادا فرمایا تھا۔ اور پنجابی میں منظوم تفسیر قرآن لکھی تھی۔ ان کے والد مولانا محمد علی لکھوی سے راقم کی ملاقات مدینہ منورہ میں ۱۹۷۰ء میں مولانا عبدالغفار حسن مدظلہٗ کے مکان پر ہوئی تھی۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا معین الدین لکھوی اس وقت جمعیت اہلحدیث کے امیر اور پاکستان کی موجودہ نیشنل اسمبلی کے رکن ہیں ـــــــ مولانا خود کبھی جماعت اسلامی میں شامل ہوئے تھے لیکن جلد ہی بددل ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں جو پہلا الیکشن پنجاب کی صوبائی اسمبلی کا ہوا تھا مولانا اس کے لئے اپنے ذاتی اثر و رسوخ کی بنیاد پر منتخب ہوئے تھے لیکن بعد میں جماعت اسلامی نے انہیں ADOPT کر لیا تھا۔ چنانچہ کئی سال تک وہ پنجاب کی صوبائی اسمبلی میں جماعت اسلامی کے 'اکلوتے' نمائندے کی حیثیت سے کام کرتے رہے تھے۔ مولانا ان معدودے چند لوگوں میں سے ہیں جن میں اہلحدیثیت کی سختی اور درشتی کے ساتھ ساتھ تصوّف کی مٹھاس اور چاشنی بھی موجود ہوتی ہے ـــــــ (اس کی ایک نادر

روزگار مثال امرتسر اور لاہور کا خانوادۂ غزنویہ ہے) مولانا اپنے بعض تفردات کے باعث کچھ عرصے سے الگ تھلگ زندگی گزار رہے ہیں لیکن اب امید ہے کہ یہ کیفیت ختم ہو جائے گی۔ اَللّٰھُمَّ اٰمین !! ـــــــ مولانا موصوف کا خط اس شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔

۲۔ مولانا گوہر رحمان صاحب رکن جماعت اسلامی، شیخ الحدیث دارالعلوم تفہیم القرآن مردان اور رکن قومی اسمبلی نے بھی نہایت حوصلہ افزا اور تحسین آمیز خط تحریر فرمایا۔ ان کا خط بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

۳۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی ـــــــ جو اس وقت بلاشبہ پورے عالم اسلام کی چوٹی کی دینی شخصیتوں میں سے ہیں ـــــــ اگرچہ محاضرات کے نفس موضوع پر تو نہ کچھ تائیداً فرمایا نہ تنقیداً۔ البتہ راقم الحروف کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے لئے جو الفاظ تحریر فرمائے وہ خود ان کی عظمت کے تو شاہد عادل ہیں ہی راقم کے لئے تا زیست سرمایۂ افتخار رہیں گے۔ ان کا خط بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

۴۔ پانچ حضرات نے مصروفیت کی بنا پر شرکت سے معذرت کرتے ہوئے راقم اور اس کی مساعی کے لئے نیک خیالات و جذبات کا اظہار فرمایا۔ اور دعائے خیر سے نوازا۔ راقم کو ایک گونہ فخر ہے اس پر کہ اس فہرست میں حضرت مولانا خان محمد صاحب، سجادہ نشین، خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف، مولانا نورالحق صاحب ندوی و ازہری (پشاور) مولانا اخلاق حسین قاسمی (دہلی)، مولانا محمد اسحاق صدیقی (کراچی) اور مولانا سمیع الحق (اکوڑہ خٹک) ایسے حضرات کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

۵۔ تین حضرات نے شرکت کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا لیکن بعد میں کسی سبب سے تشریف نہ لاسکے، یہ ہیں مولانا عبدالقیوم حقانی (اکوڑہ خٹک)، مولانا عبدالکریم پاریکھ (ناگپور، انڈیا) اور قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالہ

۶۔ تین حضرات کی جانب سے محض معذرت موصول ہوئی بلا کسی تائید یا تنقید کے یعنی شاہ بدیع الدین صاحب پیر آف جھنڈا (سندھ)، جناب شمس پیرزادہ (بمبئی)، اور حافظ احسان الٰہی ظہیر (لاہور)

۷۔ دو حضرات نے مختصر معذرت اور اجمالی اظہار اختلاف پر مشتمل خطوط تحریر فرمائے: ایک مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ، مدیر "الفرقان"، (لکھنؤ) اور دوسرے سید اسعد گیلانی ایکے از مرکزی قائدین جماعت اسلامی۔

۸   پانچ حضرات نے تفصیلی اختلافی نوٹ ارسال فرمائے ۔ یہ ہیں (i) مولانا محمد طاسین صاحب، مدیر مجلس علمی، کراچی (ii) مولانا محمد ازہر، مدیر ماہنامہ "الخیر" ملتان (iii) پروفیسر طاہر القادری لاہور (iv) جناب جاوید احمد، لاہور ـــــ اور (v) جناب عبد المجیب، کراچی ـــــ ان میں سے مؤخر الذکر دو حضرات میں متعدد امور مشترک ہیں : ایک یہ کہ دونوں نے از خود 'کرم فرمائی' کی ہے ۔ وہ ہمارے مدعوئین میں شامل نہ تھے ۔ دوسرے یہ کہ دونوں جماعتِ اسلامی کے 'سابقین' کے زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ دونوں کا موقف وہی ہے جو مولانا عبد الغفار حسن اور مولانا وحید الدین خان کا ہے !

۹   تین حضرات نے راقم اور اس کی مساعی سے شدید اظہارِ بیزاری اور اعلانِ براءت فرماتے ہوئے شرکت سے 'انکار' فرمایا ۔ یہ ہیں (i) جماعت اسلامی کے حلقے کے مشہور ادیب اور دانش ور جناب نعیم صدیقی (ii) ماہنامہ 'بینات' کراچی کے مدیر مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور (iii) مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے خطیب مولانا محمد عبد اللہ صاحب ۔

۱۰   از خود 'کرم' فرمانے والوں میں ایک اور صاحب محمد عبد اللہ، لاہور، ہیں جنہوں نے ایک تحریر عنایت فرمائی جو نصف تائید و تحسین اور نصف تنقید و اختلاف پر مشتمل ہے ۔

راقم ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ پہلے بھی ادا کر چکا ہے ۔ آخر میں دوبارہ ان کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ انہیں اس تعاون کا بھرپور صلہ عطا فرمائے ۔

یہ فہرست نامکمل رہ جائے گی اور حق تلفی بھی ہو گی اگر راقم ڈاکٹر غلام محمد مدظلہ، خلیفہ مجاز مولانا سید سلیمان ندوی کا شکریہ ادا نہ کرے کہ وہ اپنی شدید مجبوری کے باعث محاضرات میں شرکت سے معذرت پیش فرمانے کے لئے خود چل کر قرآن اکیڈمی تشریف لائے (اس لئے کہ چند روز قبل پنجاب یونیورسٹی کے کسی امتحان کے ضمن میں ان کی لاہور تشریف آوری ہوئی تھی لیکن بعض اسباب سے فوری واپسی لازمی تھی!) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاق عالیہ و کریمانہ کا کوئی ادنیٰ عکس راقم کو بھی عطا فرمادے ۔

'محاضرات' کی بات لمبی ہو گئی ۔ معذرت خواہ ہوں ـــــ ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم !!

★